ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء[1]

از محمد سرور

شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہیں کہ عہد اول میں، جب تک کہ مسلمانوں میں آپس میں خانہ جنگیاں شروع نہیں ہوئی تھیں، کسی کا عبادت کے لئے خلوت گزین ہونا ممنوع تھا۔ لیکن جب حضرت عثمان کے آخری زمانے میں ان میں باہم لڑائیاں ہونے لگیں۔ تو اس وقت یہی خلوت گزینی محبوب اور مطلوب ہو گئی۔ فرماتے ہیں :۔ امام احمد نے ابوامامہ سے روایت کی ہے۔ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہم ایک غزوہ میں جہاد کے لئے نکلے۔ ہمارے ساتھیوں میں سے ایک نے ایک غار دیکھا کہ وہاں سبزہ اور پانی ہے ان کے دل میں آیا کہ وہاں وہ رہ پڑیں، اور دنیا سے الگ تھلگ ہو کر خدا کی عبادت کریں۔ اس کا ذکر انہوں نے نبی علیہ الصلوۃ والسلام سے کیا۔ آپؐ نے فرمایا۔ یہ یہود و نصاریٰ کا طریقہ ہے۔ اور میں شریعت ابراہیمی کے ساتھ مبعوث ہوا ہوں۔ قسم اس ذات کی، جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ خدا کی راہ میں جہاد کی نیت سے تھوڑا سا بھی سفر کرنا دنیا و ما فیہا سے بہتر ہے۔

اس کے برعکس بغوی نے حضرت ابو سعید خدری سے روایت کی ہے۔ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ وہ زمانہ قریب ہے جب مسلمان کا بہترین مال اس کی بکریاں ہوں گی، جنہیں وہ لے کر پہاڑوں کی چوٹیوں اور گھاٹیوں میں رہے۔ اور فتنوں سے دور اپنے دین کو بچائے۔ شاہ صاحب لکھتے ہیں :۔ جس شخص نے رسول اکرم علیہ الصلوۃ والسلام کے ہاتھ پر ہجرت کرنے اور مدینہ میں رہنے کی بیعت کی ہو، اسے فتنے کے زمانے میں مدینہ چھوڑ کر بادیہ نشین ہونے کی اجازت ہے۔ شاہ صاحب نے اس کی تائید میں نسائی کی ایک روایت پیش کی ہے۔

---

[1] اس سلسلے کا پہلا مضمون جولائی کے شمارے میں چھپا ہے۔

قرآن مجید کی ایک آیت ہے :۔ "فطرۃ اللہ التی فطر الناس علیہا" اس کی تشریح کرتے ہوئے شاہ صاحب لکھتے ہیں :۔ انسان میں اللہ تعالےٰ نے دو قوتیں رکھی ہیں۔ ایک قوتِ ملکیہ، دوسری قوتِ بہیمیہ۔ جب وہ اپنے آپ کو قوتِ ملکیہ کے سپرد کرتا ہے، تو اس سے صفاتِ ملکیہ صادر ہوتی ہیں، اور جب وہ اپنے آپ کو قوتِ بہیمیہ کے سپرد کرتا ہے تو اس سے بہائم کی سی حرکات صادر ہوتی ہیں۔ اور ایک حالت ان دونوں قوتوں کے درمیان اعتدال کی ہے۔ اب اگر انسان پر مادۂ عصیان غالب نہ ہو تو اس کی صورت نوعیہ اسی اعتدال کی متقاضی ہوتی ہے۔ اور قرآن مجید کی آیت "فطرۃ اللہ التی فطر الناس علیہا" میں اس کی طرف اشارہ ہے۔ وہ ملکات، احوال اور افعال جو حالتِ اعتدال کے لوازم ہیں، ان کی حفظ و نگہداشت کے لئے جو امور ضروری ہیں، ان کا تعین شریعت ہے۔ اور اس کا صدور وحی والہام سے ہوتا ہے۔ پس شریعت درحقیقت ایک ہی ہے۔ اس میں تغیر و تبدل کی گنجائش نہیں ہے۔ ہاں وقت و مقام کے لحاظ سے اس کی صورتِ نوعیہ بدلتی رہتی ہے، جیسے کہ طبیب سن و سال اور وقت و مقام کے پیش نظر نسخہ تبدیل کرتا ہے اسی کو قرآن مجید میں شریعت و منہاج سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔ لکل جعلنا منکم شرعۃ و منہاجا۔

شریعت پیغمبروں اور رسولوں کے ذریعہ آتی ہے۔ شاہ صاحب رسولوں کی بعثت کے ذکر میں لکھتے ہیں :۔ رسول بھیجنے کے یہ معنی نہیں کہ کسی شخص کو آسمان سے زمین پر یا مشرق سے مغرب پر یا ایک شہر سے دوسرے شہر میں بھیجا جائے۔ بلکہ بعثتِ رسل سے مراد یہ ہے کہ ارادۂ الٰہی اس امر کا مقتضی ہوا کہ لوگوں کو شریعت الٰہی سے آگاہ کیا جائے تاکہ اس کے ذریعہ ان کی اصلاح و فلاح ہو۔ وہ علم حق سے بہرہ ور ہوں۔ وہ اچھے اعمال بجالائیں اور برے کاموں سے بچیں۔ یا یہ کہ لوگوں میں طرح طرح کا شرک و ظلم پھیل گیا ہے۔ اور وہ بغیر نبوت و رسالت دور نہیں ہو سکتا۔ اس کے بعد شاہ صاحب فرماتے ہیں۔ ہر شخص میں نبوت و رسالت کی استعداد نہیں ہوتی اور نہ ہر زمانے میں نبی آتا ہے۔ بلکہ اس کا انحصار حکمت الٰہی پر ہے، آیت "واصطنعتک لنفسی" میں اس کی طرف اشارہ ہے۔

مختلف زمانوں میں نبوت کی صورتیں مختلف ہوتی ہیں۔ شاہ صاحب اس بارے میں لکھتے ہیں :۔ معلوم ہونا چاہئے کہ مختلف زمانوں میں نبوت کی صورتیں مختلف ہوتی ہیں کبھی نبی بادشاہ و خلیفہ ہوتا ہے[1]

---

[1] حضرت داؤد اور حضرت سلیمان کی نبوت کی صورت بادشاہت کی تھی۔ حضرت زکریا علیہ السلام حبر و عالم نبی تھے۔ اور حضرت یونس اور یحییٰ علیہما السلام عابد و زاہد نبی تھے۔

کبھی حبرِ عالم اور کبھی زاہد و مرشد۔ اسی طرح نبوت کے اسباب اور افعال و آثار بھی مختلف ہوتے ہیں۔ اس کے بعد فرماتے ہیں :۔ ظاہر بین لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کو بادشاہت و سلطنت سمجھا اور وہ شقاوت ابدی میں مبتلا ہوگئے۔ اور وہ یہ نہ سمجھے کہ جب سب سے افضل شریعت سب سے افضل بشر پر نازل ہوئی تو ضروری تھا کہ یہ نبوت اس کی سب صورتوں پر جامع ہو۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت ریاست، خلافت، حبریت، معلمیت، زاہدیت اور مرشدیت سب پر جامع تھی۔

ابو داؤد نے الملاحم میں اور الطبرانی نے الاوسط میں ابو ہریرہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ان اللہ تعالیٰ یبعث لھذہ الامۃ علی راس کل مائۃ سنتہ من یجدد لھا دینھا[۱] شاہ صاحب اس حدیث کے ضمن میں لکھتے ہیں :۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی کہ اس امت میں ہر صدی کے شروع میں ایک مجدد پیدا ہوا کرے گا، جو دین کی تجدید کرے گا۔ اب پہلی صدی کے شروع میں عمر بن عبدالعزیز ہوئے، جنہوں نے ملوکیت[۲] کے ظلم کو ختم کیا۔ اور اچھی روایات کی بنیاد ڈالی۔ دوسری صدی کے شروع میں امام شافعی ہوئے اور انہوں نے فقہ کے اصول و فروع کی بنا رکھی تیسری صدی کے شروع میں امام ابوالحسن اشعری ہوئے، جنہوں نے اہل سنت کے لئے قواعد اعتقادات مستحکم کئے اور اہل بدعت کا مقابلہ کیا۔ چوتھی صدی کے شروع میں حاکم اور امام بیہقی پیدا ہوئے اور انہوں نے علم حدیث کی بنیاد مضبوط کی۔ پانچویں صدی کے شروع میں امام غزالی ہوئے، جنہوں نے فقہ و تصوف اور علم کلام کو ہم آہنگ کیا، جس کی وجہ سے ان علوم کے حقائق و معارف میں نزاع نہ رہا۔ چھٹی صدی کے شروع میں امام نووی نے علم فقہ کے احکام کی اور امام رازی نے علم کلام کی اشاعت کی۔ اسی طرح اس وقت تک ہر صدی کے شروع میں ایک امام اور مجدد ہوتا رہا ہے۔

ایک جگہ شاہ صاحب "سنتہ اللہ[۳]" کی یوں وضاحت فرماتے ہیں :۔ اس عالم اسباب

---

[۱] (ترجمہ) اللہ تعالےٰ اس امت کے لئے ہر سو سال کے شروع میں کوئی ایسا شخص مبعوث کیے گا جو اس کے لئے اس کے دین کی تجدید کرے گا۔

[۲] بنو امیہ کے فرمانرواؤں کے استبداد کی طرف اشارہ ہے۔ [۳] سنتہ اللہ التی قد خلت من قبل و لن تجد لسنتہ اللہ تبدیلا

ہیں اللہ تعالیٰ کے افعال ایک خاص نہج وطریقہ پر ہوتے ہیں۔ اسے اگر ہم سنۃ اللہ کہیں تو بجا ہے اور اگر اسے لزوم عقلی سے تعبیر کریں، تو بھی روا ہے۔

شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ افعال خداوندی کے ایک خاص نہج وطریقہ پر ہونے میں بڑی حکمت ہے چنانچہ عالم اسباب کے اس نظام محکم کی بنا پر علمائے متکلمین نے ثابت کیا کہ اس کا خالق ذات واجب اور قادر ومختار ہے اور یہ کہ نبی سے معجزے کا ظہور اس کے دعویٰ نبوت کا ثبوت ہے۔ اسی طرح بچے کی ولادت پر اس ماں کی چھاتیوں میں دودھ آجانا، بارش ہونے پر کھیتی کا سرسبز ہونا، مرض سے آدمی کا کمزور ہونا اور چوٹ لگنے سے زخمی ہونا، یہ سب اسی سنۃ اللہ کی مثالیں ہیں۔

اسی سلسلے میں شاہ صاحب فرماتے ہیں۔ اشاعرہ کا کہنا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے افعال معلّل باغراض نہیں ہیں۔ یعنی ان افعال کی علّت کوئی اغراض اور مصالح نہیں ہوتے۔ شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ اشاعرہ نے اس مسئلے کو کچھ اس طرح بیان کیا ہے، جس سے یہ وہم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک انبیاء کی بعثت، کتب الہیہ کی تنزیل، سابقہ شریعتوں کی تنسیخ اور دور جاہلیت کی رسوم وعادات کی بیخ کنی میں کوئی مصلحت پیش نظر نہ تھی بس اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہوا اور یہ چیزیں ہوگئیں۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں ہم اشاعرہ کے اس قول کو اس شکل میں تسلیم نہیں کرتے۔ ہمارا کہنا یہ ہے کہ اس میں شک نہیں کہ اللہ کے افعال ایسی اغراض اور علل سے تو ضرور خالی ہوتے ہیں۔ جن کی نسبت یہ خیال ہو کہ ان سے ذات واجب الوجود کی تکمیل ہوتی ہے، لیکن اللہ کے افعال میں مصلحت، جس کی بنا لطف وکرم ہوتی ہے، لازماً پائی جاتی ہے۔ فقہائے صحابہ وتابعین وتبع تابعین کا مسلک اصلی احکام کی علتوں کی معرفت، ان کی مصالح کی پہچان اور جو مفاسد تھے، ان کی شناخت علی وجہ المناسب تھی۔ مثال کے طور پر جان ومال، عقل وخرد، عزت وآبرو اور جماعت وملّت کی حفاظت ضروری ہے، اس کے لئے حدود کا اجرا ہوتا ہے۔ اسی طرح صوم وصلوٰۃ، حج وزکوٰۃ اور تہذیب نفس انسان کو بہیمت سے نکال کر ملکیت میں لے جانے کے لئے ضروری ہے۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں۔ جب ہم اللہ تعالیٰ کے افعال اور اس کے احکام پر غور کرتے ہیں، تو عقل قطعی طور سے ہمیں اس بات پر ماننے پر مجبور کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے افعال واحکام میں مصلحت مطلوب ہوتی ہے نہ کہ خرابی وفساد، اس کے بعد ارشاد ہوتا ہے:۔ اہل سنت کا مذہب نہ تو اشاعرہ کا قول ہے نہ ماتریدیہ کا۔ بلکہ جو کتاب وحدیث مشہور کے نص اور اجماع وقیاس جلی سے ثابت ہو، وہ مذہب اہل سنت ہے اور اس کا قائل سنی ہے، خواہ وہ اشعری ہو یا ماتریدی

شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ اس معاملے میں ظنِ غالب یہ ہے کہ ان مسائل پر مسلک اشعری کی اصل غرض مخالف مذاہب کے حملوں کا روکنا تھا نہ کہ بالجزم یہ ثابت کرنا کہ امرِ شریعت یوں ہے۔

شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہیں کہ میں نے اس بحث کو حجۃ اللہ البالغہ میں زیادہ تفصیل سے بیان کیا ہے۔ یہاں حجۃ اللہ البالغہ کے مقدمہ سے کچھ اقتباسات دیئے جاتے ہیں۔

"عام طور پر خیال کیا جاتا ہے کہ احکام شرعیہ کی بنیاد مصالح وحِکَم پر نہیں۔ اور اعمال اور جزا میں کوئی مناسبت نہیں۔ اور تکالیفِ شرعیہ کی مثال ایسی ہے کہ ایک آقا اپنے غلام کی فرماں برداری کا امتحان کرنا چاہتا ہے، تو وہ اپنے غلام کو (خواہ مخواہ) کسی پتھر کے اٹھانے یا کسی درخت کے چھونے کا حکم دیتا ہے۔ اور اس سے اس کا مقصد صرف غلام کی اطاعت کا امتحان ہے اور بس۔ جب وہ غلام ایسا کرتا ہے تو آقا اس کو اچھا بدلہ دیتا ہے۔ اور نافرمانی کرتا ہے تو اس کو سزا دیتا ہے۔ لیکن یہ خیال سراسر فاسد ہے۔ سنت نبوی اور اجماعِ قرون مشہود لہا بالخیر اس خیال کی تغلیط کرتا ہے۔ جو شخص یہ بھی نہ سمجھ سکتا ہو کہ اعمال کے دارومدار نیت اور انسانوں کی ہیأت نفسانیہ پر ہے، وہ علم وفہم سے بالکل ہی بے بہرہ ہے۔"

اس کے بعد شاہ صاحب نے قرآن مجید سے اللہ تعالے کے اوامر واحکام کی مثالیں دی ہیں کہ کس طرح جہاں ان کا بیان ہے وہاں اس کے ساتھ ہی ان کی حکمت، مصلحت[1] کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔

اس کے بعد شاہ صاحب لکھتے ہیں:- "یہ اور اس قسم کی بے شمار آیتیں اور حدیثیں موجود ہیں (جو اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ شرائع کی بنیاد مصالح وحکم پر قائم ہے) اور ہر زمانے میں علمائے کرام اس کے قائل رہے ہیں۔ پس جو شخص اتنا سمجھنے سے بھی قاصر ہو تو سمجھ لو کہ اسے علم سے کوئی مس نہیں۔ اور اگر علم نے اسے مس کیا اور چھوا بھی ہے، تو صرف اس سوئی کی طرح جو سمندر میں غوطہ دے کر نکال لی گئی ہو۔ ایسا آدمی تو اس کا حق دار ہے کہ اپنی جان پر رو دے۔ وہ اس قابل نہیں کہ اس کے قول پر کان دھرے جائیں، اور اس پر کسی قسم کا بھی بھروسہ کیا جائے۔ اس کے

---

[1] جہاں روزے کا بیان ہے، وہاں ساتھ ہی لعلکم تتقون بھی آیا ہے۔ جب جہاد فرض کیا گیا تو ساتھ ہی اس کی غرض یہ بتائی گئی وقاتلوھم حتی لاتکون فتنۃ ویکون الدین للہ۔ نماز کی مصلحت یہ بتائی کہ وہ فحشاء ومنکر سے روکتی ہے۔ حج کے لئے مکہ معظمہ کی اس لئے تخصیص ہوئی کہ وہاں اول بیت وضع للناس، نیز صفا ومروہ شعائر اللہ ہیں، وغیرہ وغیرہ

بعد شاہ صاحب لکھتے ہیں :-

" صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے بعد تابعین، اور تابعین کے بعد علمائے مجتہدین احکام شرائع کے اسرار و اسباب برابر پیش کرتے اور ان کے معانی سمجھاتے رہے اور شریعت کے منصوص احکام کی مناسب علت و سبب بیان کرتے رہے کہ یہ حکم فلاں ضرر یا فلاں نقصان کے دفعیہ کے لئے ہے۔ اور یہ تمام باتیں ان کی کتب اور مذاہب کے اندر عام طور پر بکثرت مروی ہیں اور پھر ان کے بعد غزالی، ابو سلیمان بن احمد (بن محمد البستی) الخطابی، عزالدین ابن عبدالسلام اور ان جیسے دیگر علمائے کرام کی مساعی جمیلہ قابل صد تشکر ہیں کہ انہوں نے بھی احکام و شرائع کے نکات اور علل کے متعلق اپنی تحقیقات پیش کیں "

لیکن اس کے ساتھ ساتھ شاہ صاحب نے اس امر کی بھی وضاحت کی ہے کہ جہاں سنت نبویہ اور اجماع امت نے شرائع اور امر و نواہی کی بنا مصالح و حکم بتائی ہے وہاں یہ بھی واضح کر دیا ہے کہ احکام و شرائع اور امر و نواہی کے مصالح و حکم سے قطع نظر نزول تقاضا بھی وجوب حرمت کے لئے بجائے خود ایک بہت بڑا اور اہم سبب ہے جو مطیع و فرمانبردار کے لئے اجر و ثواب اور نافرمان کے لئے عتاب و عذاب کا موجب ہے .... "

چنانچہ اس ضمن میں یہ تنبیہ فرمائی ہے۔

" پس کسی مسلمان کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ ایک چیز جو صحیح روایت سے ثابت ہو جائے، وہ اس پر عمل کرنے سے صرف اس لئے توقف کرے کہ اس کے مصالح و حکم اسے معلوم نہیں ہو سکے۔ جب روایت صحیحہ سے کوئی چیز ثابت ہو گئی تو بغیر مصالح و حکم کے علم کے بھی اس پر عمل کرنا واجب ہے۔ کیونکہ انسانی عقلیں بہت سے مصالح و حکم کی معرفت سے قاصر ہیں۔ اور پھر آنحضرت صلعم کی ذات ہمارے لئے ہماری عقلوں سے کہیں زیادہ قابل وثوق اور قابل اعتماد ہے .... "

(یہاں حجۃ اللہ البالغہ کے اقتباسات ختم ہوئے ہیں)

ایک جگہ شاہ صاحب نے وہ صفات بیان کی ہیں، جن کے انبیا علیہم السلام بحیثیت انبیاء حامل ہوتے ہیں۔ آپ لکھتے ہیں :- اللہ تعالیٰ جب اپنے بندوں کو خیر سے نزدیک اور شر سے دور کرنے کا ارادہ کرتا اور ان کے مظالم رفع کرنا چاہتا ہے، تو اس کا یہ ارادہ جو سرتاپا لطف و کرم ہوتا ہے، ابتثت انبیاء کا باعث بنتا ہے۔ بعثت انبیاء کا یہ سلسلہ برابر جاری رہا، یہاں تک

کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے۔ جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا ہے :۔ ھوالذی بعث فی الامیین رسولاً منھم یتلو علیھم آیاتہ ویزکیھم ویعلمھم الکتاب والحکمۃ (وہی ہے جس نے امیوں میں انہی میں سے ایک رسول مبعوث کیا، جو ان کے سامنے اس کی آیات تلاوت کرتا اُن کا تزکیۂ اخلاق کرتا اور انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے، شاہ صاحب فرماتے ہیں۔ لوازم نبوت میں سے ایک یہ امر بھی ہے کہ جسے نبی مبعوث کیا جا رہا ہے، وہ یہ جانے کہ اسے تمام افراد بشر میں اس مقصد کے لئے مخصوص کیا جا رہا ہے۔ اور یہ کہ نفس ناطقہ کی دونوں قوتوں یعنی قوت عاقلہ اور قوت عاملہ میں درجۂ تکمیل پر فائز ہے۔ چنانچہ قرآن مجید کی آیت اللہ اعلم حیث یجعل رسالتہ (اللہ بہتر جانتا ہے کہ وہ کسے اپنا رسول بنائے) اسی کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ غرض اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے بغیر کسی فعل اور عمل کی وساطت کے، انبیاء علیہم السلام کو زیادہ سے زیادہ قوت عاقلہ عطا فرماتا ہے۔ اور اسی امتیاز خصوصی کی وجہ سے عالم غیب سے ان پر وحی نازل ہوتی رہی۔ اسی طرح انبیاء کی قوت عاملہ کو بھی خداوندی مدد ملتی ہے اس قوت کی بدولت وہ معاصی سے مجتنب رہتے۔ اور آداب، طاعت وعبادات، تدبیر منزل اور سیاست مدن کو اس طرح بروئے کار لائے کہ اس سے بہتر کسی غیر نبی سے ممکن نہیں۔ اخلاق۔ شجاعت، سخاوت، کفایت، عدالت، اور استقامت یہ سب اوصاف اسی قوت عاملہ سے حاصل ہوتے ہیں۔

شاہ صاحب کے نزدیک انبیاء علیہم السلام کی بحیثیت ان کے انبیاء ہونے کے، یہ صفات ہیں۔ اس کے بعد وہ فرماتے ہیں کہ اگر ناظرین مقامات نبوت کو پہچاننے کا اس سے بھی آسان طریقہ چاہیں، تو وہ یہ ہے :۔ فرض کیجئے کہ مندرجہ ذیل چار شخصیتیں ایک شخص واحد میں جمع ہیں۔ اور اسے نبی اور پیغمبر کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔

پہلا شخص ایک عادل بادشاہ ہے۔ عام بادشاہوں کی طرح نہیں، بلکہ ایسا بادشاہ، جس کا مرتبہ بالطبع بادشاہِ عالم کا ہے۔ اس کی برتو ذات سے لوگوں میں حسن انتظام پیدا ہو، اور وہ آپس میں مہر ومحبت سے رہیں۔ اور وہ شخص نمونہ ہو حکمت، عدالت، کفایت، شجاعت، اور اس طرح کے اعلیٰ اوصاف کا۔ آیت ھوالذی الف بین قلوبھم لوانفقت ما فی الارض جمیعاً ما الفت بین قلوبھم ولکن اللہ الف بینھم (وہی ہے جس نے ان کے دلوں میں الفت پیدا کی، اگر تم دنیا بھر کی دولت صرف کرتے، تب بھی ان کے دلوں میں الفت پیدا نہ کر سکتے

لیکن اللہ ہی ہے، جس نے ان کے دلوں میں الفت پیدا کر دی، بس اسی کی طرف اشارہ ہے۔

دوسرا شخص ایسا حکیم فرض کرو، جو حکمت عملیہ میں ممتاز اور علم اخلاق، تدبیر منزل اور سیاست مدن میں مہارت تامہ رکھتا ہو۔ اور یہ صفات اس میں طبعاً پائی جاتی ہوں۔ قرآن مجید کی آیت یؤتی الحکمۃ من یشاء ومن یؤت الحکمۃ فقد اوتی خیراً کثیرا میں اسی کی طرف اشارہ ہے۔ تیسرا شخص وہ عارف کامل، صوفی کامل اور مرشد کامل ہے، جو تہذیب نفس اور تزکیۂ قلب کے طریقوں سے خوب واقف ہے۔ اس سے عجیب وغریب کرامات اور خوارق کا صدور ہوتا ہے۔ اس کے رشد وہدایت اور اس کی صحبت کی تاثیر سے گمراہ راہ راست پر آئیں۔ اس نے سالہا سال ریاضتیں اور مجاہدے کر کے اپنے نفس کا تزکیہ کیا ہو، وہ عبادت گزار اور طاعت شعار ہو، اس عالم اجسام سے اس عالم ارواح تک اس کی رسائی ہو۔ اور جیسا کہ صوفیائے کرام کے حالات تھے، وہ شخص عالی مقامات اور بلند احوال ومراتب پر فائز ہو۔ یہی وہ صفت ہے جس کی طرف اللہ تعالیٰ نے آیت ویزکیھم ویعلمھم الکتاب والحکمۃ میں اشارہ کیا ہے۔

چوتھا شخص جبرائیل امین ہے، جس کا آسمانوں میں بلند مرتبہ ہے، اور وہ مُطاع ہے (یعنی اس کی اطاعت کی جاتی ہے)، وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے نبیوں کے درمیان واسطہ ہے، اس کے ذریعہ وحی اور الہام ہوتا ہے۔ اور وہ علم کا فرشتہ ہے اللہ تعالیٰ اس کائنات میں جو تدبیریں بروئے کار لاتا ہے، وہ ان میں ایک جارحہ اور ذریعہ ہے نیز تدبیر وانتظام کرنے والے (مدبرات الامور) فرشتوں کا وہ سربراہ ہے۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں:- یہاں جبرائیل سے ہماری مراد وہ قوتِ ملکیہ ہے، جو ایک ذریعہ اور جارحہ ہے تدبیرات الٰہی کا اور واسطہ ہے علوم خداوندی کے اخذ کا۔ یعنی وہ شخص جس کی اصل جبلت جبریلی ہو۔ اس کے لئے حظیرۃ القدس کی راہیں کھلی ہوں۔ ملاء اعلیٰ سے جو علوم اس کی عقل اور قلب پر القا ہوں، وہ ان کو بسہولت اخذ وجذب کر سکے۔

غرض شاہ صاحب کے نزدیک جس شخص واحد میں مذکورہ بالا ان چار شخصوں کے اوصاف جمع تھے۔ اسے نبی اور پیغمبر کے نام سے موسوم کیا گیا۔

جیسا کہ ارشادِ خداوندی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے "الکتاب والحکمۃ" کی تعلیم دی، اور اس کے ساتھ ساتھ تزکیہ نفوس بھی کیا۔ اس ضمن میں شاہ صاحب لکھتے ہیں:- جس طرح وضو، غسل، نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج کے مسائل، تلاوتِ قرآن مجید کے آداب واحکام اور دعائیں وغیرہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اخذ کی گئی ہیں، اسی طرح نکاح، خرید وفروخت، قیام عدل اور تنازعات

طے کرنے کے طریقے بھی آپؐ سے ماخوذ ہیں۔ اور یہ کہ یہ مسائل اور احکام ہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بلاواسطہ نہیں، بلکہ بالواسطہ اخذ کئے ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ یہ واسطہ کون لوگ ہیں ہم یہاں اس مسئلہ کو ایک تمثیل سے سمجھاتے ہیں:۔ معلوم ہونا چاہیئے کہ اس امت کی مثال ایک مضبوط دیوار کی ہے جس کی ہر اینٹ اور پتھر اوپر سے لے کر نیچے تک اپنے نیچے کی اینٹ اور پتھر کے سہارے پر کھڑا ہے۔ یہی صورت ان واسطوں کی ہے ہر بعد کے دور نے اپنے پہلے کے دور سے استفادہ کیا ہے۔ اور اس طرح وہ اس کا ممنون واحسان مند ہے۔

ہر شخص کی نظر سب سے پہلے تو ان مشائخ پر پڑتی ہے، جن سے وہ علوم حاصل کرتا ہے پھر ان پر جو ان مشائخ کے سرگروہ تھے، جیسے احناف کے لئے حضرت امام ابو حنیفہ، شافعیوں کے لئے حضرت امام شافعی، قادریوں کے لئے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی، نقشبندیوں کے لئے حضرت خواجہ نقشبند، چشتیوں کے لئے حضرت خواجہ معین الدین چشتی۔ پھر ان بزرگانِ تصوف کا سلسلہ حضرت جنید بغدادی اور ان کے ہم عصروں تک پہنچتا ہے۔ اسی طرح قرآن مجید کی قرأت کا سلسلہ قراء سبعہ پر، علم کلام کا شیخ ابوالحسن اشعری پر، تفسیر قرآن کا ثعلبی وواحدی اور ان کے امثال و اقران پر اور علم سیرت کا سلسلہ محمد بن اسحاق فزاری پر پہنچتا ہے۔ اس کے بعد شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ ان بزرگوں نے تو علم کو جمع و مدون کیا، لیکن اخذ تو انہوں نے سلف صالحین سے کیا اس لئے سلف صالحین نے طبقہ اولیٰ یعنی صحابہ کرام کا امت پر سب سے زیادہ احسان ہے گویا ان سے جو کچھ اخذ کیا گیا وہ بمنزلہ روح کے تھا اور بعد میں جو کچھ تحقیقات ہوئیں وہ اس روح کی شرح و تفسیر تھی۔

ام حصینؓ سے منقول ہے (وہ کہتی تھیں کہ) انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ حجۃ الوداع میں خطبہ پڑھ رہے تھے۔ اس میں آپ نے فرمایا کہ اگرچہ غلام تمہارا حاکم کر دیا جائے اور وہ تم پر کتاب اللہ کے ساتھ حکومت کرے تو تم اس کا حکم سنو اور اطاعت کرو۔

(ازالۃ الخفا)